ہندوستان کے متعلق جاحظ کی اجمالی معلومات کا
تفصیلی مطالعہ

جناب ڈاکٹر ابو النصر محمد خالدی صاحب حیدر آباد۔ دکن

(۴)

دسترخوان پر جو لوگ آیا کرتے تھے اُن میں ایک یمنی شیخ اپنا عمامہ اس طرح لپیٹتا تھا کہ بھویں بھی چھپ جاتی تھیں۔ پھر یہ کہ موسم خواہ گرمی کا ہو یا سردی کا، یہ اپنا عمامہ کبھی نہیں اُتارتا تھا۔ کھانے پر آنے والوں میں کا ایک قیسی شیخ ایک روز مجھے تنہائی میں دیکھ کر کہنے لگا! میں آپ سے ایک ایسی بات کہنا چاہتا ہوں جو ہے تو سراسر خیرخواہی پر مبنی مگر اندیشہ ہے کہ کہیں آپ اس کو کسی اور بات پر محمول نہ کریں۔ بہرحال آپ نے مجھے جو تقرّب بخشا ہے اس کی عملی شکرگزاری یہی ہو کہ آپ سے اس کا ذکر کردوں۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ آپ گندگی سے سخت نفرت کرتے اور نجاست سے بے حد کراہت فرماتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ یمنی شیخ کی پیشانی پر پھوڑا ہو۔ وہ اپنا عمامہ بھوں تک اس لئے باندھے رہتا ہے کہ اگر اس کے پھوڑے کا علم ہوجائے تو آپ اس کو اپنے ساتھ دسترخوان پر نہیں بٹھائیں گے۔

یہ بات سُن کر میں تو بڑی آزمائش میں پڑگیا۔ اگر یمنی کو حسب سابق دسترخوان پر بٹھاؤں تو مجھے اس کی بیماری کا خیال بار بار آئے گا اور اگر عام دسترخوان پر بٹھادوں تو کیا نزاری کیا یمنی سبھی مجھ سے برگشتہ ہوجائیں گے۔ موانست و مواکلت کے بعد اب اگر نا تو سخت بدنمائی ہوگی۔ اگر صرف یمنی شیخ ہی کو دسترخوان پر آنے سے روک دوں یا صرف اپنے دسترخوان پر بیٹھنے سے منع کرکے اس کو کسی اور جگہ بٹھادوں تو وہ بہت برافروختہ ہوگا اور اس کے غضبناک ہونے سے شام کے سارے ہی یمنی میرے خلاف ہوجائیں گے۔ رات تمام اسی سوچ میں کروٹیں بدلتا رہا۔ صبح ہوئی، مقربین باریاب ہوئے۔ باتوں باتوں میں ہمیات کا ذکر

چھڑ گیا۔ زہر کی مختلف تاثیروں کی بابت مختلف لوگ مختلف باتیں سُنانے لگے۔ قیسی شیخ نے کہا:۔

یہ تو سب سُنی سُنائی باتیں ہیں۔ خود مجھ پر گزرا ہوا ایک واقعہ سنئے۔ میں اپنے اس بھائی، اس چچا اور اس بھتیجے کے ساتھ (مجلس میں بیٹھے ہوئے مختلف السن قیسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) سفر کر رہا تھا۔ یکایک ہم سب کیا دیکھتے ہیں کہ ایک نہایت فربہ اونٹ کی لاش پڑی ہوئی ہے، اونٹ کو غالبًا کالا ڈس گیا تھا۔ مارگزیدہ اونٹ کے اعضا و جوارح ایک دوسرے سے علیٰحدہ ہو گئے تھے۔ لاش کے اردگرد چند درندے اور بعض پرندے بھی مرے پڑے تھے۔ ہم سب لاش سے چند قدم دور کھڑے تعجب کا اظہار کر رہے تھے۔ میں نے کہا اس میں تو کئی عجوبے ہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک! پہلا عجوبہ تو یہ ہے کہ اونٹ کے اعضا اس طرح علیٰحدہ ہو گئے ہیں گویا اس کے ریشے پٹھے ہی نہیں تھے۔ زہر کی شدت کا یہ حال ہے کہ درندے یا پرندے منہ مارتے ہی ہلاک ہو گئے یہ دوسرا عجوبہ ہے! لیکن بے شمار مچھر لاش پر بھنبھنا رہے ہیں مگر ایک بھی نہیں مرتا حالانکہ مچھر سے زیادہ بڑے مردار خود ہلاک ہو چکے ہیں!!!

میں اپنی بات شاید ختم بھی نہیں کر پایا تھا کہ ہوا کا ایک زبردست جھونکا آیا اسی رو میں بہا ہوا ایک مچھر میری پیشانی پر آ بیٹھا۔ اُس کا ڈنک مارنا تھا کہ میرا چہرہ پھول گیا اور سر ورم کر آیا۔ اب سر کھجاتا ہوں یا پیشانی پوچھتا ہوں تو بال ہاتھ میں آ جاتے ہیں۔ میرے ساتھی مجھے محمل میں ڈال کر گھر لے آئے۔ مدت تک قسم قسم کے علاج کرنے پر بہت کچھ افاقہ ہو گیا ہے مگر پھر بھی یہ دیکھئے (عمامہ اتارتے اور سر کھجاتے ہوئے) گنجا ہو گیا ہوں۔ بھوں کے بال بھی بس ایک دو ہی رہ گئے ہیں۔

قیسی شیخ کا قصہ لوگ اس طرح ہمہ تن گوش بن کر سنتے رہے تھے کہ ختم ہونے پر بھی چند لمحوں تک وہ غرقِ حیرت ہی رہے۔ لیکن میں اپنی مسکراہٹ نہیں روک سکا۔ میرے مسکرانے پر یمنی شیخ تاڑ گیا کہ اس سلسلہ میں قیسی پہلے ہی مجھ سے کچھ کہہ چکا ہے اس لئے چلایا۔ یہ قیسی بڑا خبیث ہے۔ مجھے آپ سے دور کرنے کے لئے میرے خلاف حیلہ تراشا ہو۔

بنو اُمیہ کی خلافت کے اسباب زوال سے سرسری طور پر واقفیت رکھنے والوں کے لئے بھی یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ سندھی نے اپنی صحت مند حکمت عملی نہیں بدلی۔

اس بیدار مغزی کے باوجود ایک گروہ تو بہر حال ایسا رہا جس کے آگے سندھی کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی تھی۔ اس گروہ کا حال خود سندھی کی زبانی سنئے۔ کہتا ہے:۔

پھیری والے ہوں یا بینچوں کے مونڈھے دار، چوک کے چلتے بیچنے والے ہوں یا ہاٹوں کے تھوک بیوپاری غرض بازار میں بیٹھنے والے کسی گروہ نے مجھے اتنا تنگ نہیں کیا جتنا بلّی بیچنے والے۔ یہ بدمعاش کیا کرتے ہیں چوزے یا کبوتر جھپٹ لے جانے والے بلّے کو جو کبھی کبھار فاختہ، مینا یا بلبل کے پنجرہ پر بھی چوٹ کرجاتا ہے کسی نہ کسی طرح پکڑ کر ایک مٹکے میں بند کردیتے ہیں۔ پھر مٹکے کا منہ بند کرکے اس کو کئی گھنٹوں تک مسلسل زمین پر لڑھکاتے رہتے ہیں جس سے بلّے کا سر چکرانے لگتا ہے، بازار میں لانے سے تھوڑی دیر پہلے اس کو ایسے پنجرہ میں بند کردیتے ہیں جس میں چوزے یا کبوتر ہوں، بازار آنے والے عجوبہ سمجھ کر خرید لیتے ہیں، سمجھتے ہیں بڑی نادر چیز ہاتھ آئی چوہوں سے بھی محفوظ ہو جائیں گے۔ حال آنکہ یہ دوہری بلا ہوتی ہے کیونکہ چکرایا ہوا بلّا ایک دو دن بعد ہی صرف اپنے خریدار ہی کے نہیں بلکہ اُس کے پڑوسیوں کے پرندے بھی چٹ کرجاتا ہے، چوزوں کا خون منہ کو لگ جاتا ہے اس لئے چوہوں کا رُخ نہیں کرتا۔

بیع و شرا قانونی حیثیت سے درست ہوتی ہے اس لئے بیچنے والے پر گرفت کرنا ناممکن!

یہ حالات پڑھتے ہوئے آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ متداول تاریخوں میں سیاسی وقائع و حوادث تو بہت مل جاتے ہیں لیکن ایسی اطلاعیں جن سے اخلاقی، معاشرتی و معاشی حالات معلوم ہوں جاحظ جیسے ادیبوں کے علاوہ دوسری جگہ نہیں مل سکتیں۔

سندھی کا بڑا لڑکا نصر علوم نقلی میں نہایت ممتاز تھا۔ ہشام الکلبی (م ۲۰۴) اور ہیثم الطائی (م ۲۰۷) اخبار و آثار کی روایت میں بہت نمایاں تھے لیکن کیا باعتبار صحتِ نقل اور کیا باعتبار فہم معانی انہیں وہ درجہ و مرتبہ حاصل نہیں ہوا جو نصر کا تھا، ہشام و ہیثم کی تضعیف خود جاحظ نے بھی کئی جگہ کی ہے (۱۵۸)

مذکورہ صدر جملہ کے سوا نصر کے سلسلہ میں جاحظ کی کتابوں میں کوئی مزید اطلاع نہیں مل سکی۔

سندھی کے دوسرے لڑکے ابراہیم کے متعلق جاحظ کی شہادت یہ ہے:۔

یہ تو بے نظیر و بے عدیل ہے خطیب، ماہرِ انساب، فقیہہ، نحوی، عروضی، حافظِ حدیث، شعر کا

راوی، خود شاعر!! اس کے الفاظ جاندار و پرزور، اس کے معنی شریف و بلند۔ قلم کا دھنی عمل میں طاق، بات کرتا تو معلوم ہوتا اژدہا بول رہا ہے (۱۵۸) خراج کا عامل کیا ہوا گویا زادان فروخ زندہ ہو گیا (۱۵۹) نجوم و طبابت میں حاذق اور متکلموں کا سردار تھا۔ دولت عباسیہ کے رموز سے آگاہ اور اس کی دعوت کے رازہائے درونی کا واقف کار تھا۔ حافظہ اس بلا کا پایا تھا کہ ایک مرتبہ جو بات سُن لیتا ہمیشہ یاد رکھتا تھا شاید ہی کوئی فرد بشر ایسا ہو جو اتنا کم سوتا ہو۔ ارادی و اضطراری بے خوابی پر اس سے زیادہ صبر کرنے والا میں نے کسی اور کو نہیں دیکھا۔

ترکوں کے مناقب میں جاحظ نے جو رسالہ قلم بند کیا ہے اس میں یہاں تک لکھا ہے کہ :۔ اگر تم یہ کہو کہ دولتِ عباسیہ کی مدافعت میں ابراہیم کی زبان دس ہزار کھنچی ہوئی تلواروں اور اتنے ہی تنے ہوئے نیزوں سے زیادہ کارگر ہے تو تمہاری یہ بات یقیناً قابلِ التفات و لائق توجہ ہوگی۔

فلسفہ و کلام کا دلدادہ ہونے کی حیثیت سے جاحظ اپنے دوست ابراہیم کا بہت گرویدہ معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اپنی کتابوں میں حسب موقع و محل اس نے ابراہیم کے ایسے واقعات بھی ثبت کئے ہیں جن سے اس کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے، ایک جگہ لکھا ہے :۔

ابراہیم کا شمار متکلموں کے فلسفیوں میں ہے اور یہ سب کے سب طبیب بھی ہوتے ہیں۔ ورائیت ناسًا من الاطباء وھو فلاسفۃ المتکلمین منھم ابراھیم ۔ بڑے بڑے طبیبوں کی طرح یہ بھی حائضہ سے دور رہتا تھا کیونکہ حائضہ کے بدن سے ایسی بُو پھوٹتی ہے جو دوسروں کی صحت کے لئے مضر ہے۔

البیان میں ہے کہ دارالخلافہ کے عین وسط میں ایک خطیب نے اپنی قدرتِ بیان ظاہر کرتے ہوئے بعض ایسے الفاظ استعمال کئے جو موقع و محل کے اعتبار سے غیر موزوں و نامناسب تھے۔ جب اس خطیب نے دوسری بلکہ تیسری مرتبہ بھی ایسی ہی حرکت کی تو ابراہیم جوشِ غضب سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے دانت پیسنے لگا۔ درانحالیکہ وہ ایک متکلم تھا اور متکلم عموماً خطیب نہیں ہوتے۔ مگر ابراہیم کلام کی باریکیوں کے ساتھ ساتھ خطابت کی نزاکتوں سے بھی بخوبی واقف تھا اور اس پر اس فن کا ایسا غلبہ تھا کہ

جب کسی خطیب سے بظاہر معمولی لیکن فنی حیثیت سے کوئی فاحش غلطی صادر ہوتی تو اس کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ جاحظ ایسا کوتاہ نظر نہیں تھا کہ معاصرت یا عجمیت کی بنا پر اپنے ہمعصروں یا غیر ملکیوں کی قدر نہ کرے۔ ساتھ ہی یہ قدردانی بھی ایسی نہیں تھی کہ اس کو کسی کا اندھا مقلد بنا دے۔ مثال کے طور پر ہم اسی ابراہیم کے ایک قول پر جاحظ کی تنقید کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیے جس کے متعلق جاحظ کے مداحانہ فقرے اوپر نقل ہو چکے ہیں! ایک مرتبہ ابراہیم نے بڑی شدت سے اس بات کی تمنا کی کہ کاش زندیق اپنی کتابوں کو دل فریب، وجاذب توجہ نہ بناتے۔ یہ لوگ اپنی کتابوں کے لئے بہت اچھا صاف وسفید کاغذ اور نہایت چمکدار روشنائی استعمال کرتے ہیں۔ خوش نویس کاتب مہیا کرنے کا بھی بہت اہتمام کرتے ہیں اور اس کے لئے رقم خرچ کرنے میں بڑی فراخدلی دکھلاتے ہیں۔ کتاب اور کتابت کا یہ اہتمام اس بات کی دلیل ہے کہ وہ علم کی قدر و منزلت کرتے ہیں اور علم کی قدر و منزلت شرافت نفس اور معرفت سے غافل نہ رہنے کی دلیل ہے۔

جاحظ نے کہا: کتابوں کے بارے میں زندیقوں کے اہتمام سے جو نتیجہ آپ نے اخذ کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ زندیقوں کے یہاں کتاب کا وہی مقام ہے جو نصرانیوں کے پاس کلیساؤں کا یا ہندوؤں کے پاس مندروں کا ہے۔ جس طرح یہ قومیں عوام میں اپنے کیش و کنش کو مقبول بنانے اور سادہ لوحوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے اپنی عبادت گاہوں کی تزئین و آرائش کرتے ہیں اسی طرح زندیق اپنی کتابوں کو جاذب توجہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ اُن کے یہاں عبادت گاہیں نہیں ہیں

حاصل بحث یہ کہ کتابوں کی ظاہری خوبیوں سے علم کی عظمت ثابت نہیں ہوتی۔

جاحظ نے یہ بات کئی جگہ دہرائی ہے کہ علوم عقلی میں منہمک رہنے والوں میں نقلی علوم کی صلاحیت عموماً نہیں ہوتی یا ہوتی بھی ہے تو بہت کم یا معمولی درجہ کی مگر ایک بالغ نظر فلسفی اور بلند پایہ متکلم ہونے کے باوجود ابراہیم علوم سماعی میں بھی ایسا سربرآوردہ تھا کہ صحت، صداقت اور امانت و دیانت کے لحاظ سے اس کی روایتیں ہر طرح قابل اعتماد ہیں۔

حسب توقع جاحظ نے ابراہیم کی بیان کی ہوئی کئی روایتیں نقل کی ہیں اُن میں سے اکثر کا براہِ راست ہندوستان سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے اس مقالہ کے آخر میں وہ بطور تتمہ نقل کی جائیں گی ۔

منتجع بن نبہان سندھی اب تک گم نامی بلکہ کس مپرسی میں پڑا ہوا ہے ۔ حال آنکہ عربی ادب کے طالبعلموں کو جاننا چاہیئے کہ "عربی" کی خدمت کرنے میں سندھی بھی کسی دوسرے "عجمی" سے کم درجہ نہیں رہا ۔ عربی لغت میں اصمعی کا درجہ ویسا ہی بلکہ اس سے زیادہ ہی جیسا اردو میں ۔ مثلاً صاحب فرہنگ آصفیہ کا منتجع بن نبہان کو عربوں کے نسلی پندار نے صرف ایک بادیہ نشین عرب لکھ دیا ہے (۱۶۰) لیکن اور بہت سے ادیبوں کی طرح جاحظ اس احساس کمتری یا برتری میں مبتلا نہیں تھا وہ خود اصمعی کا شاگرد تھا لیکن جانتا تھا کہ اُستاد کے فضل و کمال میں منتجع بن نبہان سندھی کا کیا، کتنا اور کیسا حصہ ہے ۔ اس کے الفاظ ہیں :۔ اخذ علماء العراق عن المنتجع بن نبہان وکان المنتجع سندیًا فی اذنہ خرقۃ وقع الی البادیۃ وھو صبی فخرج افصح من رؤبۃ (۱۶۱) عراق کے عالموں نے منتجع سے علم حاصل کیا ۔ وہ سندھی تھے اُن کے کان میں سوراخ تھا بچپن میں بادیۂ عرب چلے گئے تھے جب وہاں سے نکلے ہیں تو رؤبہ سے زیادہ فصیح اللسان و قادر البیان تھے ۔

جی چاہے تو امالی القالی، کامل المبرد، عیون القتیبہ غرض عربی ادب کی کوئی سی اہم بنیادی کتاب اُٹھا لیجئے ان میں سے کوئی بھی منتجع بن نبہان سندھی کی لغوی روایتوں سے خالی نہیں ہوگی ۔

یہ خیال رہے کہ "کان میں سوراخ ہونے" سے غلام یا ادنیٰ ذات کا ہونا لازمی نہیں کیونکہ ہند قدیم میں بلکہ آج بھی اونچی ذات کے ہندو مردوں کا اپنے کان چھیدنا اور رانتی یا بالی پہننا ایک مسلمہ واقعہ ہے ۔

راقم السطور کو افسوس ہے کہ منتجع سندھی سے متعلق کوئی تفصیل باوجود اپنی سی سعی کے نہیں مل سکی صرف زبیدی کے یہاں ایک سطر یہ ملی کہ (تقدم زمانی کے اعتبار سے) منتجع کا شمار بصری لغویوں کے پہلے طبقہ میں ہے (۱۶۲) بہرحال اب اس میں تو شک و شبہ نہیں ، ہے کہ عربی ادب کے ائمۂ لغت میں منتجع کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ اس کو کم ہی بھی دیکھ سکتا ہے رحمۃ اللہ علیہ ۔

❖ ❖ ❖ ❖ ❖

(۱۲)

سندھ اور سندھیوں سے متعلق بات میں بات اس طرح نکلتی رہی کہ سلسلۂ کلام قدرے دراز ہوگیا۔ اس سے یہ نہ خیال ہونا چاہیئے کہ جاحظ کے یہاں ہندوستان خاص ۔ دوآبۂ گنگ وجمن کے بارے میں کوئی اطلاعیں نہیں ملتیں۔ ہند قدیم سے متعلق بعض امور کا ذکر پہلے ہوچکا ہے مابقی کی تفصیل یہ ہے:۔

ابن عبدالوہاب سے جاحظ پوچھتا ہے: کیا تم ہندیوں کے اسرار کی خبر دے سکتے ہو؟ اُن کے یہاں شخصی حکومت ہے یا مشاورتی؟ ہندی یہ کیوں خیال کرتے ہیں کہ والدین کی نافرمانی کرنے والا کوڑھ میں مبتلا ہوجاتا ہے؟ حالانکہ علم طب میں کوڑھ کے اسباب وعلل میں یہ چیزیں شامل نہیں ہیں؟ شطرنج کس نے ایجاد کی؟ کلیلہ دمنہ کا مصنف کون ہے؟ کوکل کس کا اختراع ہے؟ قلعہ کس نے بنایا؟ ہندی دردمی حالتِ اسیری میں سندھی کی طرف کیوں توجہ نہیں کرتے اور بحالتِ جنگ اس سے کیوں نفرت کرتے ہیں[۱۶۳]۔

یہ قدیم پنڈتوں کا لہجہ اور پُرانے پدوّانوں کی لَے ہے۔ مطلب یہ کہ ان امور سے فلاسفہ و متکلمین ہی واقف ہیں دوسرے ان سے نابلد و ناآشنائے محض!

جاحظ کے مطبوعہ ذخیرہ میں ان سوالوں کا کسی جگہ کوئی جواب نہیں ملا۔ اس لئے کسی کے لئے یہ بتانا ممکن نہیں کہ ان چیزوں کے تعلق سے اس کو کیا اطلاعیں ملی تھیں۔ بہر حال جن چیزوں کے متعلق سوال کئے گئے ہیں ان کو اسرارِ ہند کہنے پر کسی کو حیرت نہ ہونی چاہیئے کیونکہ آج پاکستانی ہندوامراکی اجتماعی زندگی کی چند تفصیلیں جو کچھ کتابوں میں مل جاتی ہیں وہ تیرہ سو سال پہلے سعادت مند چیلے کو بھی برسوں اپنے گرو کی خدمت کرنے پر ہی معلوم ہوسکتی تھیں۔ بہت سی اطلاعیں اب بھی ایسی ہیں جن کے حصول کا ذریعہ صرف سینہ بسینہ روایتیں ہی ہیں جن لوگوں نے البیرونی (م ۴۴۰ھ) کی کتاب الہند پڑھی ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہند قدیم کے پنڈت معمولی معمولی چیزوں کو بھی انتہائی راز میں رکھتے اور سمجھتے تھے کہ سوائے ان کے دنیا میں ان باتوں کا جاننے والا کہیں نہیں پایا جاتا۔ یہ بھی خیال رہے کہ ہند قدیم میں کھانے پینے اور چلنے پھرنے والے فانی انسان تو کوئی غیر معمولی کام کر ہی نہیں سکتے۔ ہر غیر معمولی کام صرف دیوتاؤں ہی سے سرانجام ہوتا ہے۔ مثلاً یہ سارے مزامیر دیویوں دیوتاؤں نے نہیں تو اور

کس نے ایجاد کئے ہیں ؟ پھر یہ بھی کہ اُن کے موجد فوق الفطرت ہستیاں تھیں اس لئے ساری ایجادیں طبعی طریقہ سے کم اور بیشتر خرق عادت کے طور پر ظہور میں آتی ہیں ۔ اس خرق عادت کی جزئیات کے متعلق بھی جتنے منہ اتنی باتیں ۔

مذکورہ ملحوظات پر اس حقیقت کا بھی اضافہ کیجئے کہ ہندوستان مختلف تہذیبوں کی نمائش گاہ اور مختلف تمدنوں کا عجائب خانہ جتنا اور جیسا آج ہے تیرہ سو سال قبل اس سے کہیں زیادہ تھا ۔ یہاں سے باہر جانے والے اپنے ساتھ اکثر و بیشتر اپنی اپنی مقامی روایتیں لے جاتے تھے اس لئے اُن کے بیانوں میں غیر معمولی تفاوت اور بعض اوقات تضاد بھی پایا جائے تو باعث حیرت نہ ہونا چاہیئے ۔ مثال کے طور پر طرز حکمرانی ہی کو لیجئے ۔ دنیا بھر کے زرعی معاشرے کی بنیادی خصوصیتوں سے ہندِ قدیم بھی مستثنیٰ نہیں تھا ۔ دیہاتی پنچایت کا دیکھا ہوا کہتا ہے ہند قدیم میں حکمرانی کا طرز جمہوری ہے ۔ بڑے شہر کے رہنے والے کہتے ہیں ، شخصی و استبدادی ہے ۔ اس طرح دونوں اطلاعوں میں کوئی تضاد نہیں معلوم ہوتا ۔ معتزلی یونانیوں کی شہری جمہوری مملکتوں سے کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتے تھے اس لئے انھیں یہ معلوم کرنے کی ٹوہ تھی کہ آیا ہندوستان میں بھی یونان کی طرح حکمرانی کا طرز مشاورتی ہے یا ایران کی طرح شخصی ؟ چونکہ اصحاب اخبار و آثار ایسے سوالوں سے فی الجملہ سروکار نہیں رکھتے اس لئے ان پر تعریض کرنے کے لئے جاحظ نے ہندوستان کے طرز حکمرانی کی اطلاع کو بھی ایک ذریعہ بنالیا ۔ یہ اور بات ہو کہ بے چارہ ابن عبدلوہا دونوں اطلاعوں کو مطابق واقعہ سمجھ کر ان میں باہم موافقت پیدا کرنے کی فکر میں نہیں پڑا ۔

والدین کی نافرمانی کرنے والی اولاد کے کوڑھ میں مبتلا ہو جانے کے جس خیال کو جاحظ نے ہندیوں سے منسوب کیا ہے وہ صحیح معلوم ہوتا ہے ۔ راقم الحروف کو کوئی متعین تحریری حوالہ تو نہیں مل سکا لیکن اُس نے دو تین پنڈتوں سے اس خیال کی تغلیط یا توثیق چاہی ، ان سب نے اس کی توثیق کی متعین حوالہ چاہنے والے چاروں ویدوں یا اٹھارہ پرانوں سے رجوع ہو سکتے ہیں ۔

کلیلہ دمنہ کا مصنف کون ہے ۔ البرامکہ کے فاضل محقق نے اس سوال کا جو جواب دیا ہے اُس کی تلخیص یہ ہے ۔ نروان یعنی سلسلہ حیات کی دوامی علیحدگی سے پہلے گوتم بدھ اپنی زندگی کے

متعدد دوروں سے گذر چکے تھے۔ روحانی قوت کی وجہ سے آپ کو اپنی پچھلی زندگیوں کے حالات یاد تھے آپ نے یہ حالات اپنے چیلوں کو سنائے تھے۔ آپ کی ان روایتوں کی تعداد پانسو پچاس تھی جن کے مجموعہ کو جاتک یہ حالات پیدائش کہتے ہیں۔

بعد میں جاتک کے بعض اجزا مختلف مولفوں نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق علیحدہ علیحدہ ترتیب دیئے۔ ان نو ترتیب اجزاء میں سے تین اجزا پنچ تنتر، ہتوا پدیش اور سرت ساگر ہیں۔ انہیں تینوں کتابوں کے انتخابی مجموعے کے عربی ترجمہ کا نام کلیلہ دمنہ ہے (۱۶۴)

اس تحقیق کی روشنی میں دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ مدعیانِ علم سے جاحظ نے کلیلہ دمنہ کے مولف کا نام دریافت کرکے واقعی ایک ایسا معمہ پیش کیا ہے جو خود اس سے حل ہوا اور نہ شاید کسی اور سے کبھی حل ہوگا۔

شطرنج، قلعہ اور کوکل کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

سندھیوں کے ساتھ ہندیوں اور رومیوں کے جس طرزِ عمل کے متعلق جاحظ نے سوال کیا ہے اُس کا جواب ہندوستان کا ذات بند نظام معاشرہ ہے۔ ممکن ہے معتزلی اس نظام کے بعض معاشرتی اور چند معاشی مصلحتوں سے واقف ہوں لیکن عام مسلمان جو رنگ، نسل، جغرافیہ یا پیشہ کی بنا پر انسانوں کو تقسیم کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتے وہ بھلا اس سوال کا کیا جواب دے سکتے تھے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس سوال کا تعلق محض مقامی یا وقتی ہو اگر ایسا ہے تو ظاہر ہے کہ اس سے جاحظ کی مراد متعین کرنے کا ہمارے یہاں کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

بیچارے ابن عبدالوہاب کی ہندشناسی کے امتحان کا جو پرچہ مرتب ہوا ہے وہ کچھ اس طرح ہے:۔

"خطوط الہند کا بانی کون ہے؟ سند ہند وارکند برکتا بیں کہاں لکھی گئیں؟

اور ایک دوسری جگہ تعریض ہے۔ تمہاری عمر تو اتنی طویل ہوچکی ہے کہ تم حساب باورات سے گذر کر خطوط ہند سے بھی آگے نکل چکے ہو۔

ارکند، باورات، خطوط ہند و سندھ کی بقدر ضرورت توضیح ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ سنہ ایک سو چوبن یا چھپن ہجری میں سندھ سے ایک علمی جماعت بغداد پہونچی، اس جماعت کے ایک عالم نے ہندی ہیئت کی ایک کتاب برھمیت

سندھانت' خلیفہ کی خدمت میں نذر گزرانی۔ اس کا عربی میں ترجمہ ہوا۔ یہ ترجمہ سند ہند، اختصاراً سدھانتا کہلاتا ہے۔

سدھانتا میں زمانہ کی تقسیم کلپ کے حساب سے تھی جو چار ارب اور بتیس کروڑ سال کے برابر ہوتا ہے۔ پانچویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں آریاکلپ نامی ایک عالم نے (عربی میں ارجاباد یا اریا باد) زمانہ کی تقسیم کا حساب جگ سے رکھا یہ کلپ کا ہزارواں حصہ ہوتا ہے۔ آریہ بھٹ کی کتاب کو عربی میں ارج ہند یا ارج بھر یا ارجھبند بولتے ہیں۔ کلپ کو عربی میں سنی السند ہند اور ارج بند کو سنی ارجھبند کہتے ہیں۔ سنی السند ہند کے معنی سالہا سال، لاانتہا یا بے گنتی زمانہ اور کبھی ابد کے بھی ہیں۔ سنی ارجھبند کے معنی نہایت طویل زمانہ، مدتِ مدید یا عرصۂ دراز ہیں۔

سدھانتا اور ارج بند کے علاوہ ہندی ہیئت کی تیسری کتاب کرن کھنڈ یا کھنڈ یاک ہے، یہ عربی میں الارکند کہلاتی ہے۔

دوسری صدی ہجری کے ربع ثالث میں یہ تینوں کتابیں سنسکرت سے عربی میں منتقل ہوئیں۔ سدھانتا اور ارکند کے مولفوں کا ٹھیک ٹھیک پتہ لگ سکا ہے اور نہ اُن کے زمانہ تصنیف کا یقینی علم ہوا۔ ہندی مورخوں کے درمیان اس بارے میں اب بھی اختلافات ہیں۔ (۱۶۵)

باورات سے جو خط کی مراد مہاسنکھ اور خطوط سے صفر ہے۔

الحیوان کی اصل عبارت ہے: "ولولا خطوط الهند لضاع من الحساب الكثير والبسيط ولبطلت معرفة التضاعيف ولعدموا الاحاطة بالباورة وباورة الباورات (۱۶۶)

مطلب یہ کہ اگر ہندیوں کا ایجاد کیا ہوا صفر نہ ہوتا تو کثیر و لامحدود کا حساب نہ ہو سکتا۔ ضعف و ضرب کا علم ہوتا اور نہ سنکھ و مہاسنکھ کا احاطہ کرنا ممکن ہوتا۔

گنتی کی مفرد علامتیں، ایک تا نو، بشمول ہر دو اصطلاحاً ہندسہ اور مرکب علامتیں یعنی دس تا آخر عدد کہلاتی ہیں۔

باورۃ۔ سنسکرت کے (پھوڑی۔ دھڑی، بھوڑا، دھڑا) بھوڑی کی تعریب ہے۔ بھوڑی کے اصطلاحی معنی ہیں کسی عدد کے ساتھ اٹھارہ صفر کا اضافہ کرنا اور لغوی معنی ضرب و ضعفات ہیں۔ اردو میں

پہاڑہ اسی سے ہے ۔

حکم بن عمرو بہرانی کے رائیہ کی شرح کرتے ہوئے جاحظ نے لکھا ہو کہ یہ پُورا قصیدہ عجائب وغرائب سے بھرا ہوا ہو جو سب کے سب باطل ہیں مگر اہل بادیہ ان پر یقین رکھتے ہیں۔ شرح کے سلسلہ میں ہندوستان سے متعلق جو حوالے ملتے ہیں وہ حسب موقع درج ہونگے ۔ یہاں یہ کہنا ہو کہ بہرانی کے قصیدہ کی چودھویں بیت میں لفظ علکنان کے معنی جاحظ نے الکثیرالذی لا یکون فوقه عددٌ — اتنا زیادہ کہ گنتے گنتے کوئی عدد باقی نہ رہے، کئے ہیں گویا علکنان باورات کا عربی مترادف ہو، یہ کہنے کی شاید ہی ضرورت ہو کہ عربی زبان کی کسی جدید یا قدیم مرجوعہ قاموس میں باورۃ نہیں ملا ۔ اصحاب المعربات میں سے بھی کسی کی اس پر توجہ نہیں ہوئی ۔ باورہ کا بھوڑا یا دھڑا کی تعریب ہونا محض اٹکل ہو یا تحقیق ؟ محض قیاس آرائی ہے اور نہ آخری تحقیق ۔ یہاں اصل کا پتہ لگانے کے لئے گویا ایک گولا لڑھکا یا گیا ہے، اس کی صحیح سمت تو علمار لسانیات ہی متعین کرسکیں گے گو راقم الحروف کے ہاں اس کی منزل قریبًا متعین ہے

فخر السودان والی عبارت کی ابتدار میں جاحظ نے اہل ہند کے متعلق یہ جو لکھا ہے کہ یقدمون فی النجوم والحساب ولھم الخط الھندی خاصةً اس سے مراد یقینًا صفر ہے نہ کہ رسم کتابت واملا ۔ رسم خط کا ذکر بعد میں یوں آیا ہے: ولھم خطٌ جامعٌ لحروف اللغات وخطوطٌ ایضًا کثیرةٌ — اُن کے یہاں رسم خط ہو جو زبان کے سارے حروف کا جامع ہو اُن کے یہاں بہت سے خطوط — رسم کتابت کی بکثرت شکلیں رائج ہیں ۔

اس آخرالذکر عبارت میں سنسکرت حروف تہجّی اور ہندوستان کی قدیم زبانوں جیسے مثلاً تامل وغیرہ - اوران کے مختلف رسوم کتابت کا حوالہ ہے ۔

اول الذکر عبارت کے سمجھنے میں بعض عالموں سے چوک ہوگئی ہو ۔ ممکن ہے قلّتِ مطالعہ یا بے غوری کے علاوہ انھیں لفظ "خطوط" نے بھی بھٹکایا ہو ۔

"اہل ہند کے پاس جادو، دھونی (تدخین) اور دمازکیتہ ہے" جادو، ٹونا، ٹوٹکا اور دھونی رمانا تو قریبًا ہر ہندی جانتا ہے ۔ یہ دمازکیتہ کیا ہے ؟

دمازکیۃ وہی ہے جس کو ہم حبسِ دم کہتے ہیں۔ یہ عمل اس خیال پر مبنی ہے کہ ہر متنفس کو سانسوں کی ایک مقررہ تعداد یعنی سانس لینے کے لئے ہوا کی ایک معینہ مقدار ہی عطا ہوتی ہے، سانس جتنا کم لیا جائے ہوا جتنی کم کھینچی جائے عمر کی مدت اسی نسبت سے بڑھتی جائے گی۔ سانسوں کی مقررہ تعداد یا ہوا کھینچنے کی معینہ مقدار ختم ہونے سے پہلے کوئی متنفس نہیں مر سکتا۔ حبسِ دم عمر کی مدّت کو دراز کرنے اور بعض وقت عبادت کے طور پر بھی کیا جاتا ہے۔ حبسِ دم کرنے والے ہندوستان میں آج بھی پائے جاتے ہیں۔

فارسی میں حبسِ دم کی اصطلاح بہت بعد کی اور غالباً بعض صوفیہ کی وضع کی ہوئی ہے۔ جاحظ کے زمانہ میں دم روکنے کے لئے دو لفظ رائج تھے: زردمہ — زاء معجمہ مفتوح، راء مہملہ ساکن دال مہملہ و میم مفتوح — (بعض جگہ میم کی بجائے باء بسم اللہ بھی آئی ہے) زردمہ دراصل فارسی کے زیر دم کی تعریب ہے، اس کے معنی سانس کو نیچے ہی سینہ میں روکے رکھنا یا حلق کو سانس لینے سے روکے رکھنا ہیں۔ دم روکنے کے لئے دوسرا لفظ دمق، بفتحتین آخر میں قاف، تھا۔ جس دن گرمی زیادہ ہوتی اور ہوا نہ چلتی تو کہتے یوم "داموق"۔ یہ فارسی لفظ دم گیر کی تعریب ہے (۱۶۷) کثرت تکرار اور الٹ پھیر کی وجہ سے یہ دونوں قریب المخرج اور قریب المعنی بلکہ ہم معنی لفظ ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے ہیں۔ دم گیر و زیر دم دونوں بجائے خود مرکب لفظ ہیں لیکن اس کے باوجود دونوں میں صرف کاف و زاء معجمہ کے سوا سب حروف مشترک ہونے کی وجہ سے عمل انضمام و ادغام میں مزید سہولت پیدا ہوئی۔ دمازکیۃ کے آخر میں تاء تانیث جمع کے لئے ہے جیسے مثلاً قائل کی جمع قالۃ گویا حبس دم کرنے والا دمازکی اور اس کی جمع دمازکیۃ ہوگی اور اگر مصدری معنے لئے جائیں، جیسا کہ جاحظ کی عبارت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے تو حکایۃ، ریاضۃ، شکایۃ کی طرح دمازکیۃ بھی مصدری۔ لہذا اسمی معنیٰ میں ہے۔

اس بحث کے بعد ظاہر ہوا کہ دمازکیہ کے معنی ہونگے دم زیرگیر۔ حبس دم کرنے والے یا حبسِ دم

ھذا ما عندی والعلم عند اللہ۔

دمازکیۃ کے ساتھ ہی جوگیوں، سادھوؤں، گوسائیوں اور بطور تلازمہ گوتم بدھ اور بت پرستی

سے متعلق جاحظ کے ایک سوال کی طرف ذہن کا منتقل ہونا طبعی ہے۔ اس نے پوچھا ہے، ہند میں امر بدّ کی ابتداً کس طرح ہوئی؟ نزول بد کے بارے میں ہندیوں نے کیا کہا ہے؟ مختلف قوموں میں بت پرستی کیوں شروع ہوئی؟ (۱۶۸)

ان سوالوں کے جواب جاحظ کی مطبوعہ تحریروں میں نظر سے نہیں گذرے سوائے اس کے کہ اُس نے بدھا کو بت سے مخلوط نہیں کیا ہے بلکہ اُس کے نزدیک ان دونوں اسموں کے مسمیٰ کا فرق واضح ہے جیسا کہ بدھا کے لئے بُد بالضم اور بت کے لئے ہر جگہ بصیغۂ جمع بدوۃ لکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ غالباً اس کی بعض غیر مطبوعہ کتابوں میں ان سوالوں کے تفصیلی یا اجمالی کچھ نہ کچھ جواب ضرور ہوں گے "غالباً" اس لئے کہ الحیوان میں بطور مقدمہ اُس نے اپنی بعض کتابوں اور چند رسالوں کا تعارف کراتے ہوئے کتاب الاصنام کے بارے میں لکھا ہے:۔ اس میں من جملہ اور امور کے میں نے اس بات کا ذکر بھی کیا ہے کہ ہندیوں نے اپنی بت پرستی کے جواز میں کیا کیا علتیں (اعتلالات) گھڑی ہیں۔ جاہلی عربوں میں بُت پرستی کے کیا اسباب ہوئے ہیں؟ بُت پرستی پر متفق ہونے کے باوصف اس کے اسباب وعلل میں دونوں قومیں مختلف کیوں ہیں؟ بتوں کی بندگی کرنے والے، گھڑی ہوئی مورتیوں کو پوجنے والے اور تراشے ہوئے مجسموں کی عبادت کرنے والے اپنے مت ومذہب سے شدید اُلفت کیوں رکھتے ہیں؟ بُت پرستی نہ کرنے والوں کے مقابلہ میں اپنے کیش وکنش سے بشدت کیوں چپکے اور چمٹے رہتے ہیں؟ یہ لوگ بُت پرستی نہ کرنے والوں سے شدید کینہ کپٹ کیوں رکھتے ہیں؟ بُت اور وثن میں کیا فرق ہے؟ صنم کس کو کہتے ہیں؟ مورتی اور مجسمہ کی امتیازی خصوصیتیں کیا ہیں؟ بُت پرست اپنی عبادت گاہوں اور اپنے طاق ومحراب کو اپنے دین کے بزرگوں اور اس کے داعیوں کی تصویروں سے کیوں مزیّن کرتے ہیں؟ تصویر کھینچنے میں غیر معمولی احتیاط، صبر وضبط سے کیوں کام لیتے ہیں؟ تناسب قائم کرنے میں اپنی کاریگری کی نزاکتیں دکھلانے کی کیا وجہ ہے؟ تحسین وتفخیم میں مبالغہ کرنے کا کیا سبب ہے؟ بُت پرستی کی ابتدا کس طرح ہوئی؟ بتوں کو پوجنے والوں کے مختلف فرقے کیوں ہوئے؟ مندروں اور دیویوں کے رکھوالی پجاریوں کو دھوکا دینے کی کیا کیا شکلیں اختیار کرتے ہیں؟ اب تک بُت پرستوں کی تعداد بُت پرستی نہ کرنے والوں سے بہت زیادہ کیوں

ہے ؟ بت پرستوں کے کیش و مذہب میں مختلف قومیں کیوں شامل ہیں ؟

کتاب الاصنام اب تک نہیں چھپی اور نہ اس کا مکمل قابل قرارت مخطوطہ ہی کہیں دریافت ہو سکا۔ اس لئے بُت پرستی سے متعلق جاحظ کے افکار و آرار سے استفادہ کم از کم فی الحال ممکن نہیں۔ مطبوعہ کتابوں میں الحیوان ایسی کتاب ہے جس میں دو تین جگہ بُت پرستی کے سلسلہ میں ہندیوں کا ذکر جس طرح آیا ہے اس سے صرف جزوی طور پر جاحظ کے طرز فکر کا کچھ اندازہ ضرور ہوتا ہے بحوالہ کتاب کی متعلقہ دو عبارتوں کا مفہوم یہ ہے (۳۴۹)

یونانیوں کی عقلی ترقی کو دیکھکر یہ بات تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے کہ وہ دہریت جیسے نامعقول عقیدہ پر ایمان لائیں اور اُن کی عقل اس کو گوارا کر لے ! اسی طرح ہندیوں کی فکری بلند پروازیاں اور ان کی فلسفیانہ موشگافیاں نگاہ میں رہیں تو اُن کا بدھا کی اطاعت کرنا (جو خدا کے وجود ہی سے لے اعتنائی برتتے ہیں) اور بتوں کی بلکہ اپنے سے بہت ہی ادنیٰ درجہ کی مخلوق کی پرستش کرنا اُن کی عقل و دانش سے بہت ہی فروتر معلوم ہوتا ہے !! عربوں کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا کہ اُن کی عملی سوجھ بوجھ تو نہایت غیر معمولی تھی لیکن اس کے باوجود ترشی ہوئی لکڑیوں اور گھڑے ہوئے پتھروں کے آگے سجدہ ریز ہو جاتے تھے اور ان کی عقل اس نامعقول حرکت سے توافق پیدا کر لیتی تھی !!! اس ساری نامعقولیت کی حقیقی علت صرف ماحول و تقلید ہے۔ یہ ایسی بیماری ہے جس کی دارو جالینوس کے یہاں ہے نہ کسی اور کے پاس۔ بزرگوں کی عظمت و تقدیس کرنا، گزرے ہوؤں کی بے سوچے سمجھے پیروی کرنا، کیشِ آبا سے اُلفت اور جس کو جانتے ہیں صرف اسی سے انس رکھنا یہ سب نہایت سخت امراض ہیں، ان کا علاج بھی نہایت قوی الاثر ہی ہونا چاہیئے۔

جاحظ کے اس بیان سے اندازہ ہوا ہوگا کہ اس کے نزدیک کسی عقیدہ سے وابستگی میں ماحول کا عنصر بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بات خاص طور پر توجہ طلب ہو کہ ہم نے جس چیز کو ماحول سے تعبیر کیا ہے اُس کے لئے جاحظ نے منشا لکھا ہے اس سے اس کی مراد صرف مادی جغرافیائی ماحول ہی نہیں ہے بلکہ اس میں فکری، معاشری و معاشی مفہوم بھی شامل ہے۔ ماحول و تقلید محض کے نہایت گہرے اور دور رس عامل پر نظر رہے تو یونانیوں کی دہریت تعجب انگیز ہے اور نہ ہندیوں کی مخلوق پرستی حیرت خیز!

الحیوان کی دوسری محولہ عبارت کا مطلب یہ ہے (۱۷۰)

جاہلی روایتوں میں آیا ہے کہ بعض بتوں کے جوف سے آوازیں نکلتی تھیں اس میں شک نہیں کہ عبادت گاہوں کے رکھوالی اپنے معاشی اغراض پورا کرنے اور پیسہ کمانے کے لئے عجیب وغریب مکروفریب سے کام لیتے تھے۔ ہندیوں کے مہنتوں اور پوجا پاٹھ کرنے والے برہمنوں نے دیولوں اور مندروں میں کسبِ معاش کے لئے اس قسم کے جو جو اچنبھے اور شعبدے تیار کر رکھے ہیں۔ اگر تم انھیں دیکھتے یا کم از کم کسی سے سنتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ متکلموں کو پیدا کرکے اللہ نے انسانوں پر بڑا احسان فرمایا ہے (کیونکہ وہ لوگوں کی خوش اعتقادی سے ناجائز فائدہ اٹھانے والوں کے دھوکوں اور حیلوں سے عوام کو آگاہ متنبہ کرتے رہتے ہیں)

ان تحریروں سے ظاہر ہے کہ کسبِ معاش کے لئے ہندی پجاریوں کے مکروفریب سے جاحظ بخوبی واقف تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ مندروں میں شعبدے دکھانے کے سوا یہ گروہ قصص وحکایات کے ذریعہ عوام کی قوتِ متخیلہ کو جس بری طرح متاثر کر دیتا ہے اس کا بھی حوالہ دیا ہے۔ اوہام عوام کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے: مشہور کر دیا گیا ہے کہ زہرہ دراصل ایک عورت تھی، اپنی بدکاری کی وجہ سے مسخ کرکے ستارہ بنا دی گئی ہے۔ اہلِ ہند عطارد کے متعلق ایسا ہی خیال رکھتے ہیں۔ (۱۷۱)

عوام جو یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص "مخدوم" ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے اگر یہ کسی شیطان کو کوئی حکم دے تو وہ اس کی فرماں برداری کرتا ہے اور اگر کسی روح کو حکم دے تو وہ اس کی خدمت کرتی ہے۔ عبداللہ بن ہلال حمیری اور کرباش ہندی ایسے ہی مخدوموں میں شمار ہوتے ہیں۔

چونکہ جاحظ ایسے لوگوں کے گروہ سے واقف تھا اس لئے اس نے ابن عبدالوہاب سے پوچھا ہے بتاؤ برکوبر کون تھا۔؟

اور بسلسلۂ عکنان بہرانی کے رائیہ کا حوالہ آیا ہے۔ اس قصیدہ کے ۱۷ ویں شعر کی شرح کرتے ہوئے جاحظ نے شعیدہ یازون وغیرہ کا قول نقل کیا ہے کہ شام وہند میں نازل ہونے والے شیطانوں کی تعداد بہت زیادہ اور ان کی قوت نہایت شدید ہوتی ہے اور یہ کہ ہند کے ایک بڑے

شیطان کو برکویر کہتے ہیں (۱۷۲)

برکویرا اور عطارد کے بارے میں جاحظ نے اہل ہند کے حسب خیال کا ذکر کیا ہے وہ ہندی دیومالا میں فی الواقع کسی نہ کسی شکل میں پایا جاتا ہے "کسی نہ کسی شکل" میں اس لئے کہ ہندی دیومالا ایک جنگل ہے ایسا گھنا جنگل کہ اس میں داخل ہوتے ہی سمت کا احساس مفقود ہو جاتا ہے وہاں وقت کا اندازہ شاید پرندوں کی آواز کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ مثال کے طور پر برکویرہ غیبۂ جیسے اسطوروں ہی کو لیجئے۔

ویدوں کے بموجب برکویرا اشرار کا سرغنہ ہے۔ مہا بھارت میں لنکا کے راجاؤں کا سوتیلا بھائی بتایا گیا ہے جو کچھ دنوں اپنے بھائی کا نائب رہ کر راج گدی دبا بیٹھا تھا۔ عام روایتوں میں ہے کہ اس نے ہزاروں سال تپشیا کر کے برہما سے اپنے لافانی ہونے کی درخواست کی، اس پر برہما نے وہ الہ ثروت بنا دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں وہ دھرتی یا بھوی کا رکھوالی ہے۔ ایک اور گروہ کہتا ہے وہ دنیا کے صرف انتہائی شمالی حصہ میں برہما کا نائب ہے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ وہ صرف چاندی سونے اور موتی کا مالک ہے جو خزانے اس کے تصرف میں ہیں اُن کی تعداد نو ۹ بتائی جاتی ہے۔ مابعد ادوار میں یہ مسخ شدہ صورت میں اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ اُس کے پاؤں تو تین ہیں اور دانت صرف آٹھ۔ عموماً اس کی پوجا نہیں کی جاتی اور نہ اس کا کوئی لقب ہے حالانکہ دوسرے دیویوں اور دیوتاؤں کے متعدد لقب ہیں (۱۷۳)

رہا عطارد سو اس کو بدھ کہتے ہیں (مہا تما گوتم بدھ نہیں) اس کا قصہ ایسا پیچ در پیچ ہے کہ ابتدا کا خیال رکھئے تو انتہا بے ربط ہو جاتی ہے، انجام کے لحاظ سے آغاز کی مطابقت کرنی چاہیں تو وہ ناممکن معلوم ہوتی ہے بہر حال پوری کہانی بلکہ داستان در داستان کے صرف نمایاں خطوط اس طرح واضح کئے جا سکتے ہیں۔

برہسپتی انسانوں کو شر سے محفوظ رکھنے پر مامور تھا (اس کے فرائض وغیرہ کی بابت اور بہت سی روایتیں ہیں) اس کی بیوی تارا نہایت حسین تھی۔ سوما یعنی چاند نے بہت سے مکر و فریب کر کے تارا کو اپنے پاس بلا لیا۔ برہسپتی نے تارا کو سوما کے پاس بھیجا تو تھا بطور مہمان عارضی طور پر مگر سوما اس پر قابض ہو گیا اور واپس بھیجنے سے صاف انکار کر دیا۔ تارا کی واپسی کے لئے خدایان خیر و شر میں خونریز جنگ برپا ہوئی۔

معرکہ کارن پڑا۔ ضرب وپیکار مدتوں جاری رہی حتیٰ کہ دھرتی ماتا بولا اٹھی دونوں طرف کا پلہ اس کے بعد بھی برابر سرابر رہا۔ بالآخر خدا ئے خدایگان برہما کو دخل دینا پڑا۔ تب کہیں تارا اپنے شوہر کے یہاں واپس ہوسکی مگر یوں کہ پاؤں بھاری ہوگئے تھے زچگی ہوئی۔ لڑکا پیدا ہوا جو بہت ہی خوبصورت اور ہونہار نکلا۔ لیکن اس کی ولدیت مشتبہ رہی۔ سوما مدعی تھا کہ یہ اس کا نطفہ ہے۔ برہسپتی جی اپنے صلب سے ہونے کا یقین رکھتے تھے۔ خود تارا سے پوچھا جاتا تو وہ ہمیشہ چپ سادھ لیتی۔ اس نزاع کی وجہ سے کائنات پر پچھلی جنگ سے زیادہ ہولناک جنگ کے بادل منڈلانے لگے مگر اب کی مرتبہ برہما نے فوراً مداخلت کی اور تارا کو حکم دیا کہ وہ بچے کے باپ کا نام بتائے۔ تارا نے کہا اس کا باپ سوما ہے!

تارا کے بطن سے سوما کا یہ بیٹا بڑا خردمند و فربس تھا۔ اپنے ایام رضاعت ہی میں ماں سے طرح طرح کے سوالات کرتا اور اپنے باپ کا نام پوچھتا تھا اس لئے ماں نے اس کا نام بدھ = سمجھ بوجھ رکھ دیا تھا۔

ہندی دیو مالا کی اکثر روایتوں میں بدھ یعنی عطارد مسخ شدہ نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصلی حالت ہی میں ہے جو ایسا اور ایسا تھا۔ اگرچہ اس کو اس طرح پیش کیا گیا ہے گویا وہ ایک انسان تھا۔ مگر چونکہ جاحظ کے نزدیک انسان کا درجہ و رتبہ کائنات کی ہر چیز سے بالا و برتر ہے اور کسی انسان کا ستارہ بن جانا انسانی درجہ و مرتبہ کی توہین ہے اس لئے اس نے غالباً یہ سمجھا کہ عطارد دراصل مسخ شدہ انسان یا فرشتہ ہے۔

زہرہ، سہیل اور ہاروت و ماروت کے متعلق ہندی دیو مالا سے ملتی جلتی یہودی روایتیں مسلمانوں میں بھی مشہور ہوگئی ہیں۔ (۱۷۴)

خلاصہ بحث یہ کہ برکو برہو یا عطارد دونوں کے متعلق جاحظ کی دی ہوئی اطلاع اس معنی میں صحیح ہے کہ وہ ہندی اساطیر سے بڑی حد تک مطابقت رکھتی ہے۔

ہندی دیو مالا کی رو سے ہماری یہ زمین شیشا نامی ایک سانپ کے سر پر ٹکی ہوئی ہے اور خود شیشا سمندر میں بیٹھے ہوئے ایک کچھوے کی پیٹھ پر کنڈلی مارے بیٹھا ہے۔ ایک دوسری روایت ہے کہ سانپوں کا سردار بھی ایک سانپ ہے جو اننت کہلاتا ہے یہ اپنی دُم آپ کھاتا ہے اس لئے کبھی نہیں مرتا، سدا زندہ رہتا ہے۔ اس کی پھنیں ایک ہزار ہیں اور کرۂ ارض اس کے صرف ایک پھن پر ٹکا ہوا ہے۔

تیشا کہیئے یا اننت اس کا حوالہ جاحظ کے یہاں ضمناً اس طرح آیا ہے کہ ایک روز جاحظ عالموں اور ادیبوں کے جمگھٹے میں بیٹھا ہاتھی کے فضائل بیان کر رہا تھا۔ حاضرین مجلس میں غانم نامی ایک ہندی غلام بھی موجود تھا۔ بقول جاحظ غانم ایک بے وقوف و کند ذہن شخص تھا۔ مغرور و خود پسند بھی تھا۔ حماقت کا یہ عالم کہ حب وطنی اس کو چھو کر بھی نہیں گئی تھی۔ ہندی ہونے کے باوصف ہاتھی کی مذمت کیا کرتا تھا۔ جب میں نے ہاتھی کی عظمت کا ذکر کیا تو کہنے لگا محض ڈیل ڈول سے کیا ہوتا ہے۔ اس مچھلی کی بابت تمہاری کیا رائے ہے جس کے متعلق اہل ہند کہتے ہیں کہ وہ زمین کو اپنی پیٹھ پر اٹھائے ہوئے ہے۔ کیا اس کا فائدہ ہاتھی سے زیادہ نہیں ہے؟ کیا اس کی قوتِ برداشت اس کالے چبوترے سے زیادہ نہیں؟ میں نے کہا: اے مالک! یہاں پرندوں، چرندوں، دبیبوں (دبیبۃ = رینگنے والا) اور آبی حیوانوں کا ذکر ہے نہ کہ اس (وہمی و خیالی) جانور کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے جو زمین کو اپنے سر پر اُٹھائے ہوئے ہے۔

الحیوان کی مطبوعہ عبارت میں حوت (مچھلی) ہے نہ کہ حیّہ (سانپ) حیّہ کی جگہ حوت خطائے کتابت معلوم ہوتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ غانم جیسے احمق نے سانپ کی بجائے مچھلی کہا ہو۔ بہرطور سہو لفظی سے قطع نظر، جاحظ کا نقل کردہ بیان ہندی دیومالا کی روایت سے مطابقت رکھتا ہے لہذا صحیح ہے۔

ہندوؤں کے بعض دینی عقائد بیان کرنے کے علاوہ جاحظ نے حسب عادت اپنی محاضراتی تحریروں میں مناسب موقعوں پر اُن کے بعض خیالات کا بھی ذکر کیا ہے جو اس کے لئے شاید عجیب و غریب ہوں لیکن ہندوستان میں وہ اس زمانہ ہی میں نہیں آج بھی فی الجملہ عام ہیں۔ اس کی دی ہوئی اس قسم کی بعض اطلاعیں جن سے ضمناً ہندوؤں کے عادات و اطوار بھی معلوم ہوتے ہیں، اوپر اپنے اپنے محل پر درج ہو چکی ہیں، ما بقی یہ ہیں:-

بعض جانوروں اور انسانوں کی عمریں زیر تحریر ہیں۔ حسب توقع عربوں کا ذکر آ گیا کہ وہ اپنے بعض معمروں کی مُدت حیات بیان کرنے میں مبالغہ کرتے ہیں، اس پر جاحظ لکھتا ہے کہ اہل ہند تو ان سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔

یہاں جاحظ کا اشارہ غالباً ان ہندیوں کی طرف ہے جو سنیاسیوں اور جوگیوں کی طوالتِ عمر کی حکایتیں بیان کرتے ہیں اور اس میں بہت مبالغہ کرتے ہیں۔

الحیوان کی مکھی والی فصل میں ہندوستان میں اس کی کثرت کا ذکر کئی بار آیا ہے۔ ایک جگہ یہ ثبت کرنے کے بعد کہ مکھی دنیا بھر میں کسی جگہ اتنی زیادہ نہیں ہوتی جتنی کہ سرزمینِ ہند میں ہوتی ہے لکھا ہے کہ اہلِ ہند خواہ میٹھی چیز پکائیں خواہ نمکین سارا پکوان رات ہی میں ہوتا ہے۔ کھانا بھی بیشتر رات ہی میں کھاتے ہیں کیونکہ مکھی سے تاریکی ہی میں محفوظ رہ سکتے ہیں۔

جاحظ کی یہ اطلاع عمومی حیثیت سے صحیح نہیں معلوم ہوتی البتہ یہ ممکن ہی نہیں بلکہ اغلب ہے کہ سال کے کسی خاص موسم مثلاً برسات میں بنارس و متھرا جیسے ہزاروں سال پرانے شہروں میں ایسا ہی ہوتا ہوگا البتہ جاحظ کی اس روایت میں تو شبہ نہیں کہ "ایرانی عالموں، عرب مدبروں اور یونانی طبیبوں کی طرح علمائے ہند بھی گوشت خوار جانوروں کے سامنے کھانا پینا سخت ناپسند کرتے ہیں کیونکہ ان حیوانوں کے جوف سے نکلی ہوئی سانس اور اُن کے آنکھوں کی گندگی میں ایسی چیز ہو سکتی ہے جو کھانے کو بگاڑ دے"۔

شاید ایسے ہی غیر معمولی محتاط عالموں کے متعلق لکھا ہے کہ لوگ غور و فکر میں اتنے زیادہ منہمک رہتے ہیں کہ عام لوگ ان کو دیوانہ سمجھنے لگتے ہیں اور وہ خود بھی وسوسوں کا شکار ہو جاتے ہیں چنانچہ ہند کے بہت سے لوگوں کا یہی حال ہے کیونکہ وہ تجرد کی زندگی گذارتے ہوئے گیان دھیان میں ڈوبے رہتے ہیں اور کسی سے بات چیت بہت ہی کم کرتے ہیں لیکن اُن کے مذہبی رسمیں ادا کرنے والوں، اُن کی عبادت گاہوں کے رکھوالیوں اور اُن کے پیشہ ور دینی عالموں کا یہ حال نہیں ہے۔ معاشی و معاشری ضرورت سے مجبور ہو کر عقیدت کا اظہار کرنے والوں سے مجوسیوں اور نصرانیوں کی طرح ہندو بھی بے حد و حساب دولت بٹورتے اور اس کو مندروں اور دیولوں کی محض تزئین و آرائش پر خرچ کر ڈالتے ہیں۔ زندیقوں کی کتابوں، نصرانیوں کے گرجاؤں اور ہندوؤں کی دیولوں میں بوقلموں تصویریں، زنگارنگ آرائشیں بکثرت مورتیاں اور گوناگوں زیبائش!

یہ سب کیا ہو؟ شیطانوں کی شادیاں، عفریتوں کی سازشیں، بھوتوں کے جھگڑے، پریتوں کے ٹنٹے، اس دیوی کا اغوا، اُس دیوتا کی غداری! یہ سب کیوں؟ وہم زدہ عامیوں کے سطحی جذبات کے ذریعہ دنیا کے بازار کی گرمی! جس سے بیچاروں کی دنیا ہی درست ہوتی ہو اور نہ آخرت۔ رہا سیدھا سادہ دین سو اس کی طرف سادہ لوحوں کی توجہ خواہی نخواہی پھیر کر اپنے کاروبار کو کیوں مندا کیا جائے۔ خوب یاد رکھئے جو مذہب جتنا فاسد ہوگا اس کو باقی رکھنے کے لئے اتنا ہی زیادہ تصنع کرنا پڑے گا اور جس ملت میں جتنا زیادہ اختلاف ہوگا اس کو مجتمع رکھنے کے لئے اتنا ہی زیادہ تکلف کرنا پڑے گا اگر اسی قسم کی تزئین و آرائش لوگوں کو عبادت کی طرف مائل کرنے میں ممد ہوتی یا اللہ کے حضور نیازمندی میں معاون ہوتی تو مسلمان اپنے زائد از ضرورت مال سے مسجدوں کی ایسی آرائش کرتے جو قومیں سخت کوشش کے بعد بھی نہیں کر سکتیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ عمر بن عبد العزیز نے مسجد دمشق کی بہت سی قندیلوں پر پردے ڈلوا دیئے کیونکہ یہ جگمگاہٹ خشوع میں مانع اور خضوع میں ہارج تھی۔ قلب کی یکسوئی تو اسی وقت ممکن ہے جبکہ اس کو بھٹکانے والی کوئی چیز عارض نہ ہو۔

یہ ہندی معبدوں پر جاحظ جیسے ادیب کے تبصرے یا تنقید کی محض ترجمانی ہے۔ اس لئے قدرے قلیل کمی بیشی نظر انداز کیجانی چاہیئے۔ رہی اس کی صداقت سو وہ ہماری توجہ دہانی کی محتاج نہیں معلوم ہوتی کیونکہ وہ جتنی مطابقِ واقعہ ہے اتنی ہی فکر انگیز بھی۔ اور سوچنے میں تفصیل سے زیادہ اجمال مفید ہوتا ہے۔ (باقی آئندہ)

ضروری گذارش

غیر ملکی اور پاکستانی ممبرانِ ادارہ اور خریداران رسالہ برہان سے چندہ اور سالانہ فیس وصول نہیں ہے۔ ایسے حضرات کی خدمت میں بل ارسال کئے جا رہے ہیں۔ سعی فرما کر بل کے مطابق رقم ذریعہ بنک ڈرافٹ ارسال فرمائیے۔

منیجر